کیا طلاق واقع ہونے کے لئے تحکیم اور اشہاد ضروری ہیں؟

مولانا مفتی محمد زید مظاہری ندوی
(استاذ حدیث وفقہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

احقر کے مقالہ کا موضوع وعنوان سے ظاہر ہے کہ طلاق کی بنیادی شرطیں کیا ہیں؟ کیا طلاق واقع ہونے کے لئے بھی گواہوں کا ہونا یا طلاق دینے سے قبل تحکیم کے سلسلہ کی کاروائی کرنا (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے) بھی ایسی شرط ہے کہ اس کے بغیر طلاق واقع نہیں ہوگی؟ پیش نظر مضمون میں ہم انشاء اللہ اسی مسئلہ سے متعلق قرآن وحدیث کی روشنی میں کچھ باتیں عرض کریں گے۔

اسلام ایک جامع اور مکمل دستور حیات ہے، جس میں عقائد، عبادات اور معاملات کے علاوہ معاشرتی مسائل سے متعلق بھی تفصیلی ہدایات موجود ہیں، بلکہ دین کے دوسرے شعبوں مثلاً معاملات سے متعلق صرف اصولی ہدایتیں دی گئیں، اور ایسے ضابطے بتلا دیئے گئے ہیں جن سے بے شمار جزئیات حل کئے جاسکتے ہیں، لیکن معاشرتی زندگی یعنی نکاح، طلاق، عدت وغیرہ سے متعلق صرف اصول وکلّیات کے بیان کرنے پر کفایت نہیں کی گئی، بلکہ نکاح وطلاق سے متعلق تفصیلی احکام اور جزئیات تک بیان کردیئے گئے ہیں جو انسانی عقل وفطرت کے عین مطابق ہیں، طلاق واقع ہونے کے لئے تحکیم واشہاد کے سلسلہ میں قرآن وحدیث کی دی ہوئی ہدایتیں ملاحظہ ہوں:

طلاق دینے سے پہلے دو حَکَم کے ذریعہ معاملہ حل کرنے کی ترغیب

شقاق بین الزوجین یعنی میاں بیوی کے باہمی اختلافات اور آپسی جھگڑوں کو ختم

کرنے اور باہم اتحاد واتفاق قائم رکھنے کے لئے قرآن نے جو ہدایات دی ہیں، اس کا پہلا درجہ موعظت ونصیحت، دوسرا درجہ وقتی اعراض اور کنارہ کشی، اور تیسرا درجہ مار پیٹ ہے، جس کی تفصیل ماقبل میں گزری، یہ تین تدبیریں ایسی ہیں کہ گھر کی چہار دیواری میں شوہر و بیوی خود آپس میں اس کے ذریعے اپنا مسئلہ حل کر سکتے ہیں اور آپسی اختلاف کو ختم کر سکتے ہیں، لیکن زوجین کے درمیان اختلاف اگر اتنا شدید ہو چکا، مسئلہ اتنا طول پکڑ چکا ہو اور دونوں کو ایک دوسرے سے شکایتیں ورنجشیں اس قدر ہوں کہ بظاہر اب مسئلہ حل ہونے کی کوئی امید نظر نہ آتی ہو، ایسے حالات میں بھی شریعت کا حکم یہ ہے کہ ابھی بھی طلاق مت دو، بلکہ دوسروں کو درمیان میں ڈال کر مسئلے کو حل کرانے اور ایک دوسرے کو سمجھا کر صلح صفائی اور اتفاق قائم کرنے کی کوشش کرو۔

حضرت سعید بن جبیرؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ اختلاف بین الزوجین کو دور کرنے کے لئے شرعی حکم یہ ہے کہ پہلے مرحلہ میں اس کو نصیحت کرنے اور سمجھانے کی کوشش کرو، اگر نصیحت سے معاملہ حل ہو جائے تو بڑی اچھی بات ہے، ورنہ دوسرے مرحلے میں اس کی اصلاح کے لئے وقتی طور پر ایک مدت کے لئے اس سے کنارہ کشی کرلو، یہ صورت بھی اگر مفید نہ ہو تو سختی سے کام لو، ان تدبیروں کو اختیار کرنے سے بھی اگر اصلاح کی توقع نہ ہو اور باہمی اختلاف بڑھتا ہی جارہا ہو تو پھر اس صورت میں حَکَم کے ذریعہ مسئلہ کو حل کرانے کی کوشش کرے، ایک حَکَم مرد کی طرف سے، دوسرا عورت کی طرف سے، دونوں حَکَم مسئلہ کو سمجھ کر حل کرنے کی کوشش کریں، ابھی تک مصالحت کے جتنے طریقے تھے وہ سب زوجین کی ذات تک محدود اور گھر کی چہار دیواری کے اندر ہی تھے، اور اب جو صورت بیان کی جارہی ہے اس کا تعلق گھر کے باہر کے لوگوں سے ہے، جو درمیان میں پڑ کر مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کریں، شریعت میں ایسے ہی لوگوں کو حَکَم کہتے ہیں۔

"قال القرطبیؒ: قال سعید بن جبیرؒ: الحکم أن یعظها أولا، فإن هي قبلت وإلا هجرها، فإن هی قبلت وإلا ضربها، فإن هی قبلت وإلا بعث حکماً من

أهله و حكماً من أهلها۔" (تفسير قرطبی، سوره نساء، جلد ٦، صفحه ٢٩٠)

حَکَم کون لوگ بن سکتے ہیں اور اس کے مخاطب کون لوگ ہیں؟

حق تعالیٰ کا فرمان ہے:

"وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُواْ حَكَماً مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَماً مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيْدَا إِصْلاَحاً يُوَفِّقِ اللّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللّهَ كَانَ عَلِيْماً خَبِيْراً۔"(سوره نساء:٣٥)

ترجمہ: اور اگر تمہیں میاں بیوی کے درمیان پھوٹ پڑنے کا اندیشہ ہو تو (ان کے درمیان فیصلہ کرانے کے لئے) ایک منصف مرد کے خاندان میں سے اور ایک منصف عورت کے خاندان میں سے بھیج دو، اگر وہ دونوں اصلاح کرانا چاہیں گے تو اللہ دونوں کے درمیان اتفاق پیدا فرمادے گا، بیشک اللہ کو ہر بات کا علم اور ہر بات کی خبر ہے۔

اس موقع پر قرآن نے لفظ "حَکَم" بیان کیا ہے جس سے مراد وہ شخص ہے جس کے اندر اس کام کو بحسن خوبی انجام دینے کی صلاحیت ہو، جس کے لئے بنیادی طور پر تین اوصاف کا ہونا ضروری ہے:

(۱) وہ دونوں حَکَم عادل، ثقہ، دین دار اور دیانت دار ہوں۔

(۲) علم دین سے اتنی واقفیت رکھتے ہوں کہ شریعت کے مطابق ہی مسئلہ کو حل کریں، خلاف شرع کوئی سمجھوتہ نہ کریں، یا خلاف شرع کوئی پابندی اور شرطیں نہ لگائیں یعنی اس سلسلہ کی شریعت کی پوری معلومات رکھتے ہوں خواہ خود صاحب علم ہوں اور کتابوں کے ذریعہ علم حاصل کریں یا اہل علم سے پوچھ کر ضروری معلومات حاصل کریں۔

(۳) تیسرے یہ کہ وہ حَکَم اتنے عقلمند، دور اندیش، صاحب بصیرت ہوں کہ دونوں کی بات سن کر مسئلہ کو حل کرنے اور صلح وصفائی کا سلیقہ بھی رکھتے ہوں، مزاج کے تیز، غصہ میں فیصلہ کرنے والے، جلد باز اور اکھڑ مزاج نہ ہوں، بلکہ ہمدرد اور خیر خواہ ہوں اور نرمی سے مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں

(۴) یہ دونوں حَکَم اگر شوہر بیوی کے خاندان سے تعلق رکھتے ہوں تو زیادہ بہتر

ہے، کیونکہ وہ دونوں ہمدرد ہونے کے علاوہ زوجین کے حالات ومزاج سے پوری طرح واقف ہوں گے، ایک حَکَم شوہر کی طرف سے اور ایک بیوی کی طرف سے ہوگا۔

(۵) لیکن اگر شوہر و بیوی کے خاندان میں مذکورہ بالا شرائط واوصاف کے حامل حَکَم موجود نہ ہوں تو ایسی صورت میں خاندان کے باہر صاحب علم ودیانت جو اس کام کو انجام دے سکتے ہوں، ان کو بیچ میں ڈال کر دونوں حکموں کے ذریعے مسئلہ کو سلجھانے کی کوشش کی جائے۔

یہ ساری تفصیل امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں مذکورہ آیت کے تحت نقل فرمائی ہے، امام قرطبی کی عبارت درج ذیل ہے:

"والحكمان لا يكونان إلا من أهل الرجل والمرأة، إذ هما أقعد بأحوال الزوجين، ويكونان من أهل العدالة وحسن النظر والبصر بالفقه، فإن لم يوجد من أهلهما من يصلح لذلك، فيرسل من غيرهما عدلين عالمين، وذلك إذا أشكل أمرهما ولم يدر ممن الإساءة منهما، فأما إن عرف الظالم، فإنه يؤخذ له الحق من صاحبه و يجبر على إزالة الضرر۔" (تفسیر قرطبی، سورہ نسا، جلد ۶، صفحہ ۲۹۰، ۲۹۱)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

''وہ یہ کہ ارباب حکومت یا فریقین کے اولیاء یا مسلمانوں کی کوئی مقتدر جماعت یہ کام کرے کہ ان کے آپس میں مصالحت کرانے کے لئے دو حَکَم مقرر کریں، ایک مرد کے خاندان سے دوسرا عورت کے خاندان سے، اور ان دونوں جگہ لفظ ''حَکَم'' سے تعبیر کر کے قرآن کریم نے ان دونوں شخصوں کے ضروری اوصاف کو بھی متعین کر دیا، کہ ان دونوں میں جھگڑوں کے فیصلہ کرنے کی صلاحیت موجود ہو، اور یہ صلاحیت ظاہر ہے کہ اسی شخص میں ہوسکتی ہے جو ذی علم بھی ہو اور دیانت دار بھی۔ (معارف القرآن، سورہ نساء، جلد ۲، صفحہ ۴۱۳)

(۶) خلاصہ یہ کہ حکم بننے کے سب سے زیادہ اہل زوجین ہی کے خاندان والے ہیں، لیکن خاندان میں ان اوصاف کے حامل اگر موجود نہ ہوں، تو خاندان کے باہر کے اصحاب علم وعدل جو میسر ہوں، ان کے ذریعہ مسئلہ کو حل کرانے کی کوشش کی جائے۔

(۷) اسلامی حکومت ہوتو امراء وحکام اس کے مخاطب ومکلّف ہیں کہ زوجین کے درمیان اختلاف وشقاق دور کرنے کی مذکورہ بالاقرآنی ہدایت کے مطابق کوشش کریں۔

زوجین اوران کے فریقین عدالت میں اگر اپنا قضیہ پیش کریں تب تو مذکورہ بالا قرآنی ہدایت کے مطابق مسئلہ حل کرنا عدالت کی ذمہ داری اوران کا فریضہ ہوگا، اوراگر وہ مرابعہ نہیں کرتے اور شدید اختلاف میں مبتلا ہیں، اور خاندان کے لوگ اس کو حل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے یا کرنا نہیں چاہتے تو حکام کے علم میں آجانے کے بعد خود ان پر واجب ہوگا کہ درمیان میں پڑ کر اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کریں، کیونکہ اس کے مخاطب ومکلّف حکام بھی ہیں، امام قرطبی کی عبارت درج ذیل ہے:

"قال القرطبیؒ: الجمهور من العلماء علی أن المخاطب بقوله: "وإن خفتم" الحکّام والأمراء۔"(تفسیر قرطبی، سورہ نساء، جلد ۵، صفحہ ۱۱۵)

(۸) غیر اسلامی حکومت میں مسلمانوں کی کوئی بھی تنظیم یا جماعت ہو جو اس کام کو شرع کے موافق انجام دے سکتی ہو، جن کی علمی صلاحیت اور دیانت پر پورا اعتماد ہو، ان کے ذریعہ بھی یہ کام کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی تصریح سے معلوم ہوا اور مسلمانوں میں ایسی جماعتیں ہونی چاہیے، جو اس کام کو شرع کے موافق انجام دیا کریں۔

(۹) غیر اسلامی حکومت میں کچہری کورٹ میں بھی ایسے مسائل کو حل کرنے کے لئے حکومت کی طرف سے نظام بنایا جاتا ہے، جس میں زوجین کے مابین تفریق سے بچانے اور رشتہ کو برقرار رکھنے کے لئے دونوں کی باتیں شکایتیں سن کر مسائل کو حل کرنے، صلح وصفائی اور اتحاد واتفاق کی کوششیں کی جاتی ہیں، یہ کوششیں بھی بہت مفید اور مناسب ہیں، ان کے ذریعہ بھی مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی جاسکتی ہے، شرط یہی ہے کہ خلاف شرع کوئی کارروائی نہ کی جائے، چونکہ یہ عملہ عموماً دین وشریعت کے احکام ومسائل سے واقف نہیں ہوتا، اس لئے مناسب بلکہ ضروری ہے کہ ان کی تجاویز اور فیصلوں کو اصحاب علم وافتاء سے دریافت کرلیا جائے کہ اس مسئلہ میں کوئی خلاف شرع بات تو نہیں ہے؟ یا مصالحت

میں ان کو بھی شریک کرلیا جائے۔

لیکن کچہری کورٹ میں عموماً فرد واحد (ایک وکیل) ہی ایسے مسائل کو سننے اور سمجھنے کے بعد حل کرنے کی اور سمجھوتے کی کوشش کرتا ہے، جب کہ شریعت کا حکم اور قرآنی ہدایت یہ ہے کہ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے کم سے کم دو حَکَم ہونا چاہیے، ایک مرد کی طرف سے دوسرا اس کی بیوی کی طرف سے، اور دونوں حَکَم شوہر و بیوی کی شکایتوں کو اچھی طرح سمجھ کر سلجھانے کی کوششیں کریں، اس لئے مناسب یہی ہے کہ مسلمان اختلاف بین الزوجین کے مقدمات کو مسلمانوں کی تنظیم اور مقتدر جماعت کے ذریعہ حل کرانے کی کوشش کریں، جو شریعت کے مطابق دو حکموں کے ذریعہ مکمل کاروائی کریں۔

غیر اسلامی ممالک میں دینی مدارس کے تحت اور اس کے علاوہ بھی جو دارالافتاء اور دارالقضاء یا محکمہ شریعہ قائم ہیں، ان اداروں کے ذریعہ بھی یہ کام بحسن خوبی انجام دیا جاسکتا ہے، وہ حضرات اصحاب علم شریعت کے مطابق پوری کاروائی کریں گے، یعنی فسخ نکاح و تفریق سے پہلے قرآنی ہدایت کے مطابق شوہر و بیوی کی طرف سے دو حکم مقرر کرکے مسئلہ کو حل کرنے اور سلجھانے کی کوشش کریں گے، اور چونکہ اس کام کو انجام دینے کے لئے قوّت قاہرہ و منفذہ بھی شرط نہیں ہے، اس لئے اصلاح بین الزوجین کے سلسلہ میں یہ کاروائی تمام اہل علم کے درمیان متفق علیہ ہے، اس کے استحسان میں کسی کلام کی گنجائش نہیں۔

تمام لوگوں کو چاہیے کہ اپنے عائلی مسائل اور شوہر بیوی کے درمیان پیش آنے والے اختلافی مسائل حل کرنے کے لئے ان دارالقضاء، دارالافتاء اور محکمہ شرعیہ کی طرف ہی رجوع کریں، اور ہمارے دارالقضاء وغیرہ کے ذمہ داروں کو بھی چاہئے کہ فسخ نکاح وتفریق بین الزوجین سے پہلے اس کی طرف توجہ زیادہ کریں جس کی قرآن نے ہدایت کی ہے، اور لوگوں کو اس سے آگاہ کریں، انشاء اللہ امت کے حق میں ہر لحاظ سے اس کے بہتر فوائد ونتائج سامنے آئیں گے۔

باہم الفت ومحبت پیدا کرنے کے چند ظاہری اعمال اور کچھ باطنی تدبیریں

زوجین کے درمیان طلاق وتفریق واقع نہ ہو ان کا یہ ازدواجی رشتہ برقرار رہے اس کے لئے قرآن وحدیث میں اختلافات ونزاع کو ختم کرنے کے لئے جو ظاہری تدبیریں وہدایات کی گئی ہیں ان کی تفصیل ماقبل میں گزری، ان سب کے علاوہ قرآن حدیث میں زوجین کے مابین اختلاف وشقاق کو ختم کرنے اور اتحاد واتفاق پر زور دینے اور بیویوں کو مطیع اور فرمابردار بنانے اور ان کے درمیان الفت ومحبت پیدا کرنے کے کچھ باطنی اسباب بھی بتائے ہیں، جن کے کرنے سے حق تعالیٰ دونوں کے درمیان الفت ومحبت پیدا فرماتے ہیں ان سب کا خلاصہ دو قسم کے اعمال ہیں، ایک اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کا اہتمام اور بیوی کے ساتھ اچھا برتاؤ، دوسرے خاص دعاؤں کا اہتمام جن کی رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی ہے، ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

حق تعالیٰ کا فرمان ہے:

"إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا۔" (سورہ مریم:٩٦)

ترجمہ: بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، خدائے رحمٰن ان کے لئے دلوں میں محبت پیدا کردے گا۔

لیکن اعمال صالحہ صرف نماز روزہ کرنے کا نام نہیں، اخلاق حسنہ کے ساتھ اچھا برتاؤ بھی اعمال صالحہ میں داخل ہیں، جب بندہ اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ سے متصف ہوگا، بیوی بچوں کے ساتھ اس کا برتاؤ اچھا ہوگا تو یقیناً آپس میں الفت ومحبت پیدا ہوگی، چند اعمال کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی ہدایت فرمائی ہے جن سے آپس میں الفت ومحبت پیدا ہوتی ہے، وہ درج ذیل ہیں:

(۱) ابوداؤد کی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم جنت

میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک کہ تمہارا ایمان کامل نہیں ہوسکتا، اور تمہارا ایمان کامل نہیں، جب تک تم آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کرو اور تم میں آپس میں محبت قائم نہیں رہ سکتے، جب تک کہ تم ایک دوسرے کو سلام نہ کرو، روایت کے مختصر الفاظ یہ ہیں:

"عن أبی هریرةؓ قال: قال رسول اللهﷺ: والذی نفسی بیده، لا تدخلوا الجنة حتی تؤمنوا، ولا تؤمنوا حتی تحابوا، أفلا أدلکم علی أمر إذا فعلتموه تحاببتم؟ افشوا السلام بینکم۔"(سنن ابو دائود، کتاب الأدب، باب فی افشاء السلام، حدیث ۵۱۹۳)

(۲) ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سلام اور مصافحہ کیا کرو اور دونوں کی تاثیر آپ نے یہ بیان فرمائی کہ اس سے دل کی کدورت وانقباض دور ہوتا ہے، نفرت ختم ہوتی ہے اور محبت قائم ہوجاتی ہے، یہ سلام اور مصافحہ کی تاثیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرمائی ہے، اسی وجہ سے تو اجنبیہ عورت سے سلام کی ممانعت ہے، اجنبیہ سے محبت پیدا ہوگی۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت انسؓ سے فرمایا بیٹے جب گھر میں داخل ہوا کرو تو اپنے گھر والوں اور بچوں کو بھی سلام کیا کرو، اس سے تمہارے گھر میں رحمت و برکت کا نزول ہوگا۔

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ آپس میں سلام کرنے سے محبت پیدا ہوتی ہے، دل کا انقباض اور کدورت دور ہوتی ہے، گھر میں رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوتا ہے، شوہر جب گھر میں داخل ہوکر اپنی بیوی بچوں کو سلام کرے گا تو یقیناً یہ فوائد دونوں کو حاصل ہوں گے، نفرتیں اور دوریاں ختم ہوں گی، رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوگا، اور باہم رنجشیں ختم ہوں گی، اس لئے شوہر و بیوی کے درمیان محبت قائم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو سلام کیا کریں، شوہر گھر میں داخل ہو تو سلام کرے، خالی ہاتھ ہو تو مصافحہ بھی کرلیا کرے، رسول اللہﷺ جب گھر میں داخل ہوتے تو سلام کیا کرتے تھے اور

آہستہ سلام کیا کرتے تھے، تاکہ نیند نہ کھلے، اسی طرح کا اہتمام وبرتاؤ آپس میں الفت و محبت پیدا ہونے کا سبب ہوگی۔

ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ شب برأت کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے وقت اٹھے، دروازہ نہایت آہستہ سے کھولا اور جوتے اٹھائے، یہ صرف اس واسطے کہ عائشہؓ کی نیند نہ کھل جائے، ان کی نیند خراب نہ ہو۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ شوہر کو اپنی بیوی کی راحت کا اس درجہ خیال رکھنا چاہیے جتنا کہ رسول اللہ ﷺ خیال رکھتے تھے آپ اس کی بھی فکر کرتے تھے۔

طلاق دینے کی واقعی ضرورت ہو تو طلاق دینے میں شرعاً کوئی حرج نہیں

طلاق دینا اگرچہ اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے، شریعت کی نگاہ میں دنیا بھر کی تمام حلال چیزوں میں سب سے زیادہ مبغوض وقابل نفرت چیز طلاق ہی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"أبغض الحلال إلى الله تعالىٰ الطلاق۔"(سنن ابو دائود، كتاب الطلاق، باب فى كراهية الطلاق، حديث ۲۱۷۸)

یعنی حلال چیزوں میں سب سے زیادہ بری چیز اللہ کے نزدیک طلاق ہے، لیکن بسا اوقات زوجین کے درمیان حالات ایسے پیدا ہو جاتے ہیں کہ باہم نباہ بہت مشکل ہوتا ہے، اور ظن غالب اس بات کا ہوتا ہے کہ اب دونوں ایک دوسرے کے حقوق نہیں ادا کر سکیں گے، جس کی وجہ سے ان کی ازدواجی زندگی بدمزہ اور تلخ ہو جاتی ہے، اور ادائے حقوق میں کوتاہی کی وجہ سے دونوں ہی عند اللہ مجرم اور مستحق عذاب ہوں گے، ایسی صورت میں شریعت کا حکم بھی یہی ہے کہ حق تلفی اور ظلم کے وبال اور عذابِ خداوندی سے بچنے کے لئے طلاق دے دو، اور ایسے ہی موقعوں کے لئے شریعت نے مردوں کو طلاق دینے اور عورت کو طلاق لینے کی اجازت دی ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

" يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاء فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا

الْعِدَّةَ۔"(سورہ طلاق:۱)

ترجمہ: اے پیغمبرﷺ! (آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ) جب تم لوگ (اپنی) عورتوں کو طلاق دینے لگو تو (ان کو زمانہ) عدت (یعنی حیض) سے پہلے (یعنی طہور میں) طلاق دو، اور تم عدت کو یاد رکھو۔

"فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ۔"

(سورہ بقرہ:۲۲۹)

ترجمہ: اگر تمہیں اس بات کا اندیشہ ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے، تو ان دونوں کے لئے اس میں کوئی گناہ کی بات نہیں کہ عورت مالی معاوضہ دے کر علیحدگی اختیار کر لے۔

الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ۔(سورہ بقرہ، :۲۲۹)

ترجمہ: طلاق (زیادہ سے زیادہ) دوبار ہونی چاہئے، اس کے بعد (شوہر کے لئے دو ہی راستے ہیں) یا تو قاعدہ کے مطابق (بیوی کو) روک رکھے (یعنی طلاق سے رجوع کر لے) یا خوش اسلوبی سے چھوڑ دے (یعنی رجوع کے بغیر عدت گذر جانے دے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل

رسول اللہﷺ کی ازدواجی زندگی میں متعدد مرتبہ ایسے واقعات پیش آئے کہ آپ کو بھی اپنی بیویوں کی طرف سے ناگوار حالات سے سابقہ پڑا، اس وقت آپ نے اپنی بیویوں کو وعظ و نصیحت فرمائی، بعض مرتبہ ناراض بھی ہوئے، بعض بیویوں سے اعراض و کنارہ کشی بھی فرمائی، جس کی تفصیل ماقبل میں گزر چکی۔

بعض بیویوں کی طرف سے آپ کو ایسی تکلیف اور صدمہ پہنچا کہ ایک مرتبہ آپ نے اپنی بیوی حضرت حفصہؓ کو طلاق دے دی، پھر اللہ کے حکم سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے کہنے سے رجوع بھی فرما لیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حفصہ بہت عبادت کرنے والی، نماز

پڑھنے والی، روزہ رکھنے والی، اللہ کی طرف رجوع ہونے والی خاتون ہیں، اور جنت میں آپ کی بیوی ہوں گی، چنانچہ آپ نے ان کو رجوع فرمالیا، ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے:

"عن عمرؓ: أن رسول اللہ ﷺ طلّق حفصة ثم راجعها۔" (سنن ابو دائود، کتاب الطلاق، باب فی المراجعة، حدیث ۲۲۸۳)

"وفی روایة: قال رسول اللہ ﷺ: إن جبرئیل أتانی فقال لی: ارجع حفصة فإنها صوامة قوامة، وهی زوجتك فی الجنة۔"(حاکم، جلد ٤، صفحه ١٥، طبقات ابن سعد، جلد٨، صفحه ٨٤)

آپ کی بعض بیویوں (حضرت سودہؓ) کے حالات ایسے ہوگئے تھے کہ غالباً آپ نے خطرہ محسوس کیا، اور آپ پر اللہ کا خوف غالب ہوا کہ کہیں مجھ سے ادائے حقوق میں کوتاہی نہ ہوجائے اور اس حق تلفی کی وجہ سے میں عنداللہ جوابدہ ہوجاؤں، اس لئے آپ نے ان کو طلاق دینے کا ارادہ فرمالیا تھا (واللہ اعلم)، لیکن حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی دینداری، سمجھ داری و دور اندیشی قابل تعریف ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عاجزانہ گزارش کی کہ یارسول اللہ! میرا کچھ بھی مطالبہ نہیں، بیویوں کے پاس رات گزارنے میں جو باری مقرر کی گئی، یارسول اللہ! اس باری کا بھی میرا کوئی مطالبہ نہیں، میں اپنی وہ باری بھی حضرت عائشہؓ کو ہبہ کرتی ہوں، یعنی میری باری میں بھی آپ عائشہ کے پاس رہئے، میرا کسی حق کا بھی کوئی مطالبہ نہیں، آپ مجھے طلاق نہ دیجئے، تاکہ جنت میں مجھے آپ کی رفاقت اور زوجیت کا شرف حاصل رہے، چنانچہ اس کے بعد آپ نے ان کو طلاق نہیں دی اور ان کے حقوق بھی ادا فرماتے رہے، ترمذی کی روایت میں ہے:

"عن ابن عباسؓ قال: خشیت سودةؓ أن یطلّقها النبی ﷺ، فقالت: لا تطلقنی وأمسکنی واجعل یومی لعائشة، ففعل، فنزلت: فلا جناح علیهما أن یصلح بینهما صلحا، والصلح خیر، فما اصطلحا علیه من شیء فهو جائز۔" (جامع ترمذی، أبواب تفسیر القرآن، باب: ومن سورة النساء، حدیث ٣٠٤٠)

طلاق دینے کی بنیادی شرطیں

جہاں تک سوال اس بات کا ہے کہ طلاق دینے کی بنیادی شرطیں کیا ہیں؟ اور طلاق دینے کا حق کس کو ہے؟ ہمارے فقہاء نے اس کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے، بدائع الصنائع، فتاویٰ عالم گیری اور البحر الرائق وغیرہ میں اس کی تفصیلات موجود ہیں، ان میں صرف چند کا ہم یہاں ذکر کرتے ہیں:

طلاق دینے کا اختیار صرف شوہر کو ہے کسی اور کو نہیں

طلاق واقع کرنے کی بنیادی شرط یہ ہے کہ طلاق ایسے شوہر کی جانب سے ہو جو عاقل ہو، مجنون، پاگل نہ ہو، بالغ ہو، بچہ یا مراہق نہ ہو، ہوش وحواس کی حالت میں طلاق دی ہو، بے ہوشی میں نہیں، البتہ اگر شراب پی کر نشہ کی حالت میں طلاق دی ہو تو طلاق واقع ہو جاتی ہے، چنانچہ فتاوی عالم گیری میں ہے:

"یقع طلاق کل زوج إذا کان بالغاً عاقلاً سواء کان حراً أو عبداً طائعاً أو مکرهاً۔"(فتاوی عالم گیری، کتاب الطلاق، فصل فیمن یقع طلاقه وفیمن لا یقع طلاقه، جلد اول، صفحه ۳۸۷)

سب سے پہلی بنیادی شرط یہ ہے کہ طلاق دینے والا شوہر ہی ہو، لہٰذا اگر شوہر کا باپ یعنی عورت کا خسر، یا شوہر کا استاد یا شیخ، یا شوہر کا آقا اپنے بیٹے یا شاگرد یا مرید کی بیوی کو طلاق دے بھی دے تو ہرگز طلاق واقع نہیں ہوگی، کیونکہ شریعت نے یہ اختیار صرف شوہر کو دیا ہے، اور شوہر بیوی کے آپسی واندرونی حالات ومعاملات ان دونوں کے علاوہ کوئی اور پورے طور پر نہیں سمجھ سکتا، اس لئے شریعت نے یہ حق صرف شوہر کو دیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے وقت میں ایک قضیہ یہ پیش آیا کہ ایک آقا نے اپنے غلام کا باندی سے نکاح کر دیا، بعد میں کسی وجہ سے ناراض ہو کر خود ہی اس رشتہ کو ختم کر کے دونوں کے درمیان تفریق کرنا چاہتا تھا، غلام نے آ کر رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی، رسول

اللہ ﷺ نے اس پر تنبیہ کی اور فرمایا طلاق دینے کا اختیار صرف اس کو ہے جو اس کی پنڈلی کا مالک یعنی اس کا شوہر ہے، روایت کے الفاظ یہ ہیں:

”عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: أتى النبيﷺ رجل فقال: يا رسول الله! إن سيدي زوجني أمته، وهو يريد أن يفرق بيني و بينها، قال: فصعد رسول اللهﷺ المنبر فقال: يا أيها الناس! ما بال أحدكم يزوج عبده أمته، ثم يريد أن يفرق بينهما، إنما الطلاق لمن أخذ بالساق۔“ (سنن ابن ماجه، كتاب الطلاق، باب طلاق العبد، حديث ۲۰۸۱)

اس روایت میں آپ ﷺ نے وضاحت فرما دی کہ عورت کو طلاق دینے کا اختیار اس کے شوہر کے علاوہ کسی اور کو نہیں، یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے اور بہو کے حالات سے خوش اور مطمئن نہیں تھے، چاہتے تھے کہ بہو کو طلاق ہو جائے، بیٹے سے طلاق دینے کو کہا لیکن ان کو اپنی بیوی سے بہت محبت تھی، اس لئے طلاق دینے پر آمادہ نہ ہوئے، لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کسی معقول وجہ سے ہی اپنے بیٹے سے طلاق دینے پر مصر تھے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے پوری تفصیل رسول اللہ ﷺ سے جا کر عرض کی، رسول اللہ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ اپنے والد کی اطاعت کرو، اور اپنی بیوی کو طلاق دے دو، کیونکہ حضرت عمر ایسے نہیں ہیں کہ کسی معقول بنیاد کے بغیر طلاق کا حکم دے دیں، روایت کے الفاظ یہ ہیں:

”عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: كانت تحتي امرأة أحبها، وكان أبي يكرهها، فأمرني أبي أن أطلّقها، فأبيت فذكرت ذلك للنبيﷺ فقال: يا عبدالله بن عمر! طلّق امرأتك۔“(جامع ترمذي، أبواب الطلاق، باب الرجل يسأله أبوه أن يطلق زوجته، حديث ۱۱۸۹)

ایک دوسری روایت میں ہے:

”عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال: قال رسول اللهﷺ:........ولا طلاق له فيما لا يملك۔‘(جامع ترمذي، أبواب الطلاق، باب

ما جاء لا طلاق قبل النكاح، حديث ١١٨١)

یعنی طلاق دینے کا اختیار صرف اس مرد کو ہے جس کی ملک یعنی نکاح میں وہ عورت ہے۔

اس روایت سے بھی یہی معلوم ہوا کہ طلاق دینے کا اختیار صرف شوہر ہی کو ہے، نہ کہ اس کے باپ یا کسی اور کو، ورنہ حضرت عمرؓ خود ہی بہو کو طلاق دے دیتے، بیٹے سے اصرار کی نوبت ہی نہ آتی۔

طلاق ہونے کے لئے بالغ ہونا شرط ہے، سمجھ دار بچے کی بھی طلاق واقع نہیں ہوگی

اسی طرح طلاق واقع ہونے کے لئے شریعت نے بالغ ہونے کی شرط لگائی ہے، جس کی مدت کم از کم ۱۵ رسال ہے، اس سے کم عمر والے شوہر کی طرف واقع نہ ہوگی، الا یہ کہ اس کا بالغ ہونا ثابت ہو چکا ہو، وجہ اس کی یہ ہے طلاق واقع کرنے کے لئے حال اور مآل یعنی موجودہ حالات اور بعد کے نتائج، فوائد ونقصانات پر بھی نظر رکھنا ضروری ہے، اور بچہ تو بچہ ہی ہوتا ہے، لہو ولعب کا مزاج ہونے کی وجہ سے غور وفکر کی صلاحیت نہیں رکھتا، اس لئے شریعت نے نابالغ یعنی بچہ اور مراہق کی طلاق کو واقع نہیں کیا، اگر چہ بچہ سمجھ دار ہی کیوں نہ ہو اور ازدواجی رشتہ اچھی طرح سمجھتا بھی ہو، پھر بھی اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی، علامہ کاسانیؒ بدائع الصنائع میں تحریر فرماتے ہیں:

"ومنها أن يكون بالغاً فلا يقع طلاق الصبى، وإن كان عاقلاً، لأن الطلاق لم يشرع إلا عند خروج النكاح من أن يكون مصلحة، وإنما يعرف ذلك بالتامّل، والصبى لاشتغاله باللهو واللعب لا يتأمل، فلا يعرف۔' (بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، فصل فى شرائط الركن، جلد٤، صفحه ٢١٤)

طلاق واقع ہونے کے لئے شوہر کا عاقل ہونا شرط ہے، مجنون و پاگل اور بے

ہوش کی طلاق واقع نہیں ہوتی، البتہ نشہ کی حالت میں دی ہوئی طلاق واقع ہو جاتی ہے

طلاق واقع ہونے کی اہم اور بنیادی شرط یہ بھی ہے کہ طلاق دینے والا شوہر عاقل ہو، مجنون، پاگل، مدہوش، بے ہوش نہ ہو، کیونکہ طلاق دینا تصرفات شرعیہ میں سے ہے، جس کے لئے شریعت نے عقل کی شرط کو لازمی قرار دیا ہے، چنانچہ ''بدائع الصنائع'' میں علامہ کاسانیؒ طلاق کے شرائط کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"ومنها أن يكون عاقلاً حقيقة أو تقديراً، فلا يقع طلاق المجنون والصبى الذى لايعقل، لأن العقل شرط أهلية التصرف۔"(بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، فصل فى شرائط الركن، جلد٤، صفحه ٢١٣)

اس موقع پر علامہ کاسانیؒ نے امام محمدؒ کے حوالہ سے اس کی بھی وضاحت فرمائی ہے کہ اگر کسی شخص نے نبیذ پیا جس سے اس کو دردسر یا چکر لاحق ہوا، اور اس کی وجہ سے اس کی عقل ٹھکانے پر نہ رہی یا کسی نے افیون یا بھنگ کھالی یا کسی نے کوئی ایسی دوا استعمال کی جس کی وجہ سے اس پر بے ہوشی طاری ہوگئی، اور اسی حالت میں اس نے بیوی کو طلاق دے دی تو ان تمام صورتوں میں اس کی دی ہوئی طلاق واقع نہ ہوگی، علامہ کاسانیؒ کی عبارت درج ذیل ہے:

"وذكر محمد رحمه الله تعالىٰ فيمن شرب النبيذ ولم يزل عقله، ولكن صدع فزال عقله بالصداع، أنه لا يقع طلاقه، لأنه ما زال عقله بمعصية ولا بلذة، فكان زائلا حقيقة وتقديراً، وكذلك إذا شرب البنج أو الدواء الذى يسكر وزال عقله لا يقع طلاقه لما قلنا۔"(بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، فصل فى شرائط الركن، جلد٤، صفحه ٢١٤)

البتہ اگر کسی شخص نے شراب پی، اور شراب پینے کی وجہ سے اس کو نشہ آ گیا اور اسی نشے کی حالت میں اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو اس کی دی ہوئی طلاق حنفی مسلک کے مطابق واقع ہو جائے گی، اور یہی مسلک عام علماء اور عام صحابہ کا بھی ہے، جیسا کہ

صاحب بدائع الصنائع نے نقل فرمایا ہے، اور قرآن وحدیث اور عقلی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ شراب پی کر نشہ کی حالت میں طلاق دینے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے، علامہ کاسانیؒ کی عبارت درج ذیل ہے:

"وأما السكران إذا طلق امرأته، فإن كان سكره بسبب محظور، بأن شرب الخمر أو النبيذ طوعاً حتى سكر، وزال عقله، فطلاقه واقع عند عامة العلماء وعامة الصحابة، وعن عثمانؓ أنه لا يقع طلاقه، وبه أخذ الطحاوى والكرخى، وهو أحد قول الشافعىؒ۔

وجه قولهم: إن عقله زائل، والعقل من شرائط أهلية التصرف لما ذكرنا، ولهذا لا يقع طلاق المجنون والصبى الذى لا يعقل، والذى زال عقله بالبنج والدواء، كذا هذا، والدليل عليه أنه لا تصح ردته، فلأن لا يصح طلاقه أولى ولنا عموم قوله عزوجل: الطلاق مرتان، إلى قوله سبحانه وتعالى: فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره، من غير فصل بين السكران وغيره إلا من خص بدليل،وقوله عليه الصلوٰة والسلام: كل طلاق جائز إلا طلاق الصبى والمعتوه، ولأن عقله زال بسبب هو معصية فينزل قائما، عقوبة عليه، وزجراً له عن ارتكاب المعصية، ولهذا لو قذف إنساناً أو قتل يجب عليه الحد والقصاص، وأنهما لا يجبان على غير العاقل، دل أن عقله جعل قائما، وقد يعطى للزائل حقيقة حكم القائم تقديرا إذا زال بسبب هو معصية للزجر والردع، كمن قتل مورثه أنه يحرم الميراث، ويجعل المورث حيا زجرا للقاتل وعقوبة عليه۔" (بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، فصل فى شرائط الركن، جلد ٤، صفحه ٢١٣)

البتہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور بعض علماء امام طحاویؒ اور امام کرخیؒ اس بات کے قائل ہیں کہ نشہ کی حالت میں دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

نکاح کی صحت کے لئے گواہوں کا ہونا شرط لازم ہے وقوع طلاق کے لئے نہیں

نکاح ایک ایسا عقد ہے کہ ایک مرد وعورت جو ایک دوسرے کے لئے بالکل اجنبی ہوتے ہیں اور کسی اجنبیہ کی طرف نظر کرنا، اس کا ہاتھ پکڑنا، قریبی تعلقات قائم کرنا ناجائز اور قطعاً حرام ہوتا ہے، اور اس سے جنسی خواہشات پوری کرنے والا زانی سخت سزا اور عذاب خداوندی کا مستحق ہوتا ہے، اجنبی مرد وعورت دونوں ایک دوسرے کے لئے ایسے ہوتے ہیں کہ کسی پر کسی کا کوئی حق نہیں ہوتا، نہ مرد پر نفقہ کی ذمہ داری، نہ ہی عورت پر مرد کی اطاعت کا وجوب، لیکن عقد نکاح کے ذریعہ اجنبی مرد وعورت دونوں ہی ایک دوسرے کے پابند ہو جاتے ہیں، نکاح کے واسطے شوہر اس بات کا التزام اور عہد کرتا ہے کہ میں اپنی منکوحہ کے نفقہ کی ذمہ داری قبول کرتا ہوں، اور عورت اس بات کا عہد کرتی ہے کہ میں اپنے شوہر کی اطاعت وفرمابرداری کروں گی، اور اس عقد کا اثر یہاں تک پہنچتا ہے کہ شوہر بیوی میں سے کسی ایک کے مرنے کے بعد ہر ایک دوسرے کے مال کا وارث ہوتا ہے، ایک اجنبیہ عورت کہ نکاح سے پہلے جس کا ہاتھ پکڑنا، اس کے ساتھ تنہائی میں ہونا، طرح طرح کی بدگمانیاں اور شکوک میں مبتلا کرتا تھا، لیکن عقد نکاح کے ذریعہ دونوں ہی ایک دوسرے کے لئے حلال ہو جاتے ہیں، اب نہ کسی کو شک کی نگاہ سے دیکھنے کی اجازت اور نہ ہی کسی بدگمانی کا موقع، اس لئے شریعت نے نکاح کے منعقد ہونے کے لئے گواہوں کے ہونے کو لازم قرار دیا ہے، کیونکہ یہ تہمت اور بدگمانی کا موقع ہے، اور حکم دیا ہے کہ دو گواہوں کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہوگا۔

اور رہ گئی طلاق تو اس میں چونکہ ایک دوسرے پر حقوق کا التزام نہیں، بلکہ جو پابندیاں نکاح کے واسطہ سے ایک دوسرے پر لازم تھیں ان کا اختتام ہوتا ہے، دونوں اب تک جو ایک دوسرے کے لئے حلال تھے، طلاق کے بعد پہلے کی طرح پھر حرام ہو جاتے

ہیں، اور اس میں کوئی شک یا بدگمانی اور تہمت کا موقع نہیں ہوتا، اس لئے شریعت نے اگرچہ وقوع طلاق کے لئے بھی گواہوں کے مقرر کرنے کی ہدایت کی ہے تاکہ دونوں میں کوئی اس کا انکار نہ کر سکے، اور سابقہ حقوق جو نکاح کے واسطہ سے ایک دوسرے کو حاصل تھے، ان کا مطالبہ نہ کر سکے، لیکن شریعت نے نکاح وطلاق دونوں میں اس فرق کو ملحوظ رکھا ہے کہ نکاح میں چونکہ حقوق وعہود کا التزام اور تہمت سے حفاظت ہوتی ہے، اس لئے اس میں گواہوں کے ہونے کو ضروری اور شرط لازم قرار دیا ہے کہ جس کے بغیر نکاح ہی صحیح نہیں ہوگا، اور طلاق میں یہ باتیں نہیں یعنی کوئی تہمت کا موقع نہیں، حقوق کا التزام نہیں بلکہ اختتام ہے، اس لئے اس میں گواہوں کے ہونے کو شرط لازم نہیں قرار دیا کہ اس کے بغیر طلاق صحیح نہ ہو، بلکہ اس کے بغیر بھی طلاق کو صحیح اور معتبر قرار دیا ہے، چنانچہ اسی فرق کے ساتھ قرآن وحدیث میں نکاح وطلاق کے احکام مذکور ہے، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کی صحت کے لئے تو گواہوں کا ہونا شرط لازم ہے، اور طلاق کے وقوع کے لئے گواہوں کا ہونا شرط لازم نہیں ہے، اب قرآن وحدیث کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیے:

نکاح وطلاق کی صحت وعدم صحت کے لئے گواہوں کی شرط قرآن کی روشنی میں:

(۱) علامہ کاسانیؒ بدائع الصنائع میں تحریر فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے آیت: "فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ"، اور آیت "الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ"، اور آیت "فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِن بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ۔" ان تینوں آیتوں میں طلاق دینے طلاق واقع ہوجانے اور طلاق کی وجہ سے عورت کے مرد پر حرام ہوجانے کو بغیر کسی شرط کے ذکر فرمایا ہے، حتی کہ نیت کی بھی شرط نہیں ہے، یعنی اگر بغیر نیت کے طلاق دے گا تب بھی طلاق واقع ہوجائے گی، کیونکہ مذکورہ آیتوں میں طلاق کے واقع ہونے کے لئے کوئی شرط نہیں لگائی گئی، نہ نیت کی شرط اور نہ اور کوئی شرط، علامہ کاسانیؒ کی عبارت درج ذیل ہے:

"وقال الله تعالىٰ: فطلقوهن لعدتهن، شرع الطلاق من غير شرط النية،

وقال سبحانه وتعالیٰ: الطلاق مرتان مطلقاً، وقال سبحانه وتعالی: فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره، حکم سبحانه وتعالیٰ بزوال الحل مطلقاً عن شرط النیة۔" (بدائع الصنائع، کتاب الطلاق، فصل فی شرائط الرکن، جلد ٤، صفحه ٢٢٢)

مذکورہ بالا آیات سے معلوم ہوا کہ طلاق کے واقع ہونے کے لئے گواہوں کی شرط لازمی نہیں اور طلاق کا واقع ہونا گواہوں کے وجود پر موقوف نہیں۔

(۲) حق تعالیٰ کا فرمان ہے:

"وَأَشْهِدُوا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنكُمْ۔"(سورہ طلاق، پ۲۸، آیت ۲)

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی دی ہے تو اب عدت کے اندر اس کو رجوع کرنے کا بھی اختیار ہے، یعنی اگر سابقہ نکاح کو باقی رکھنا چاہے تو اس کو اس کا بھی اختیار ہے، لیکن قرآن نے اس موقع پر یہ ہدایت دی ہے کہ اگر سابقہ نکاح کو باقی رکھنا چاہے یا طلاق کے عمل کو انتہا تک پہنچا کر نکاح کو ختم کرنا چاہے تو دونوں ہی صورتوں میں گواہوں کو مقرر کرلو، یعنی دو گواہوں کے سامنے یہ کاروائی ہونی چاہئے تا کہ بعد میں کسی کو انکار کی گنجائش نہ رہے۔

"قال الشیخ ولی الله الدهلویؒ: وإنما أمر الله تعالیٰ بإشهاد شاهدین علی الطلاق لمعنیین۔"(حجة الله البالغه، باب الطلاق، جلد۲، صفحه ٣٦٢)

امام ابوبکر جصاص رازیؒ نے اس آیت کے ضمن میں اس حقیقت کو واضح فرمایا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ آیت مذکورہ میں جب امساک یا فراق یعنی طلاق رجعی دینے کے بعد عدت کے اندر سابقہ نکاح کو باقی رکھتے ہوئے رجوع کرنا یا عمل طلاق کو انتہا تک پہنچانا یعنی رشتہ کو ختم کرنا اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا، اس کے بعد اشہاد یعنی گواہوں کے مقرر کرنے کا تذکرہ فرمایا، اس سے یقینی طور پر معلوم ہوا کہ یہ امساک یا فراق یعنی بیوی کو ایک یا دو طلاق کے بعد عدت کے اندر رجوع کرنا یا طلاق کو پورے طور پر واقع کر دینا گواہوں کے

بغیر بھی معتبر اور درست ہے، کیونکہ اشہاد یعنی گواہوں کے مقرر کرنے کو آیت مذکورہ میں شرط کے طور پر ذکر نہیں کیا گیا کہ طلاق کی صحت گواہوں پر موقوف ہو، گواہوں کا تذکرہ صرف احتیاط کے طور پر ہے تاکہ بعد میں کوئی انکار نہ کر سکے، برخلاف نکاح کے کہ اس کی صحت کو گواہوں پر موقوف اور منحصر کیا گیا ہے، امام ابوبکر جصاصؒ کی عبارت درج ذیل ہے:

"عن العطاء قال:الطلاق والنكاح والرجعة بالبينة وهذا محمول على أنه مأمور بالإشهاد على ذلك احتياطاً من التجاحد لا على أن الرجعة لا تصح بغير شهود، ألا ترى أنه ذكر الطلاق معها ولا يشك أحد في وقوع الطلاق بغير بينة۔"

"وقال أيضاً: لما جعل له الإمساك أو الفراق ثم عقبه بذكر الإشهاد كان معلوما وقوع الرجعة إذا رجع وجواز الإشهاد بعدها إذ لم يجعل الإشهاد شرطا في الرجعة۔" (احکام القرآن جصاص رازی، جلد۵، صفحہ ۳۵۰، ۳۵۱)

نکاح وطلاق کے صحت کے لئے گواہوں کی شرط حدیث کی روشنی میں

رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سے بھی یہی حقیقت واضح ہوتی ہے کہ نکاح کی صحت کے لئے تو گواہوں کی شرط لازم ہے، اور طلاق کی صحت کے لئے گواہوں کی ضرورت نہیں، یعنی بغیر گواہوں کے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے، چند احادیث ملاحظہ ہوں:

(۱) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لا نكاح إلا بشهود، وروى: لا نكاح إلا بشاهدين۔" (بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل فی الشہادۃ، جلد۳، صفحہ ۳۹٤)

(۲) حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"الزانية التي تنكح نفسها بغير بينة۔" (بدائع الصنائع، کتاب النکاح،

فصل فی الشهادة، جلد۳، صفحه ۳۹٤)

ان حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ نے پوری وضاحت سے فرمادیا کہ گواہوں کے بغیر نکاح کا تحقق نہیں ہوسکتا، اگر کوئی عورت گواہوں کے بغیر نکاح کر لیتی ہے تو وہ نکاح صحیح نہ ہونے کی وجہ سے وہ زانیہ کہلائے گی، علامہ کاسانیؒ ان روایتوں کو نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ نکاح کی صحت کے لئے اگر گواہوں کی شرط لازم نہ ہوتی تو آپ اس عورت کو زانیہ نہ قرار دیتے۔

آگے تحریر فرماتے ہیں کہ نکاح میں گواہوں کی شرط اس لئے بھی ضروری ہے کہ یہ تہمت اور بدنامی کا موقع ہے، اور گواہوں کے ذریعہ اس تہمت اور بدنامی سے پوری حفاظت ہوجاتی ہے، اس لئے صرف نکاح ہی میں گواہوں کی شرط ہے، یعنی طلاق میں تہمت وبدنامی کا موقع نہیں ہوتا، اس لئے طلاق کی صحت کے لئے گواہوں کی شرط لازم نہیں، علامہ کاسانیؒ کی عبارت درج ذیل ہے:

"لأن الحاجة مست إلى دفع تهمة الزنا عنها، ولا تندفع إلا بالشهود، لأنها لا تندفع إلا بظهور النكاح واشتهاره، ولا يشتهر إلا بقول الشهود، وبه تبين أن الشهادة فی النكاح ما شرطت إلا فی النكاح للحاجة إلى دفع الجحود والإنكار۔"

(بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل ومنها الشهادة، جلد۳، صفحه ۳۹٤)

ایک حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی، جو کہ شرعاً ممنوع اور ناجائز ہے، رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے ان کو رجوع کرنے کا حکم دیا، تاکہ حیض ختم ہونے کے بعد حالت طہر میں طلاق دیں، روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"عن ابن شهاب قال: أخبرنی سالم، أن عبد الله بن عمرؓ أخبره، أنه طلق امرأته وهی حائض، فذكر عمر لرسول اللهﷺ، فتغيظ فيه رسول اللهﷺ، ثم قال: ليراجعها ثم يمسكها حتى تطهر، ثم تحيض فتطهر، فإن بدا له أن يطلقها فليطلقها طاهرا قبل أن

يمسها۔" (صحيح بخاری، كتاب التفسير، باب سورة الطلاق، حديث ٤٩٠٨)

اس روایت سے کئی باتیں معلوم ہوئیں:

(۱) حالت حیض میں طلاق دینا شرعاً ممنوع ہے۔

(۲) اگر کسی شخص نے حالت حیض میں طلاق دے دی تو اس کو طلاق سے رجوع کرنا چاہیے۔

(۳) حالت حیض میں دی ہوئی طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے، ورنہ آپ رجوع کا حکم نہ دیتے۔

(۵) رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اس وقت نہ تو یہ سوال کیا کہ طلاق دینے سے پہلے طلاق کی نیت کی تھی یا نہیں اور طلاق دینے پر گواہ طلب کئے یا نہیں؟ اس سے معلوم ہوا کہ بغیر نیت اور بغیر گواہوں کے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے، یعنی طلاق کی صحت اور اس کا وقوع گواہوں پر موقوف ہے، علامہ کاسانی کی عبارت درج ذیل ہے:

"وروينا عن عبدالله بن عمرؓ لما طلق امرأته فی حال الحيض أمره رسول اللهﷺ أن يراجعها، ولم يسأله هل نوى الطلاق أو لم ينو، ولو كانت النية شرطا لسأله، ولا مراجعة إلا بعد وقوع الطلاق، فدل على وقوع الطلاق من غير نية۔" (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل فی شرط النية فی الكناية، جلد٤، صفحه٢٢٢)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی حیاۃ طیبہ میں یہ واقعہ بھی پیش آیا، جس کو حضرت امام محمدؒ نے اپنی سند سے نقل فرمایا ہے اور امام محمدؒ کے حوالہ سے علامہ کاسانیؒ نے نقل فرمایا کہ ایک خاتون نے چھری لے کر اپنے شوہر کے سینہ پر سوار ہو کر کہا مجھے تین طلاق دو ورنہ میں تم کو ذبح کرتی ہوں، اس نے اللہ کا واسطہ دیا لیکن وہ عورت نہ مانی، بالآخر لاچار و مجبور ہو کر شوہر نے تین طلاق دے دیں، رسول اللہ ﷺ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا تو آپ نے تینوں طلاق واقع ہونے کا فیصلہ سنایا۔

"وذكر محمد رحمه الله بإسناده أن امرأة اعتقلت زوجها، وجلست

علی صدره، ومعها شفرة فوضعتها علی حلقه، وقالت: لتطلقنی ثلاثا أو لأنفذنها، فناشدها الله أنلا تفعل فأبت، فطلقها ثلاثاً، فذکر لرسول اللهﷺ فقال: لا قیلولة فی الطلاق۔(سنن سعید بن منصور، باب ما جاء فی طلاق المکرہ، جلد ۱، صفحہ ۲۸۵، حدیث ۱۱۳۰، بدائع الصنائع، کتاب الطلاق، باب فی شرائط الرکن، جلد۳، صفحہ ۲۱٤)

مذکورہ حدیث سے درج ذیل باتیں معلوم ہوئیں:

(۱) مکرہ کی طلاق بھی واقع ہوجاتی ہے، یعنی وقوع طلاق کے لئے طائع اور مرضی ہونے کی شرط نہیں۔

(۲) ایک ساتھ تین طلاق دینے سے تینوں طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔

(۳) رسول اللہﷺ کے عہد میں شوہر بیوی کے درمیان یہ واقعہ خلوت میں پیش آیا، یعنی طلاق دینے کے وقت گواہ موجود نہیں تھے، اس کے باوجود رسول اللہﷺ نے گواہوں کو طلب کئے بغیر تینوں طلاقیں واقع ہونے کا فیصلہ فرمادیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ طلاق کی صحت کے لئے گواہوں کی شرط لازم نہیں، ورنہ رسول اللہﷺ اس کے بغیر کیسے وقوع طلاق کا فیصلہ فرمادیتے۔

طلاق سے قبل تحکیم یعنی مصالحت کی کوشش کرنا شرط نہیں، اس کے بغیر بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے

ایک نقطۂ نظر یہ بھی ہے کہ طلاق واقع کرنے سے پہلے حَکَم کے ذریعہ مصالحت کی کوشش کرنا ضروری ہے، اس کے بغیر طلاق دینا صحیح نہیں، جہاں تک طلاق سے پہلے حَکَم کے ذریعہ مصالحت کی کوشش کا مسئلہ ہے تو شریعت نے خود اس کی ہدایت کی ہے کہ پہلے موعظت ونصیحت، پھر ہجر واعراض، پھر ضرب وسختی، پھر دو حَکَم کو بیچ میں ڈال کر مسئلہ حل کرنے اور مصالحت کی کوشش کی جائے، جس کی تفصیل ماقبل میں گزر گئی۔

لیکن جہاں تک سوال اس کا ہے کہ طلاق سے پہلے حکمین کے ذریعہ مصالحت کی

کوشش کرنا کیا ایسی شرط لازم ہے کہ اس کے بغیر طلاق ہی واقع نہ ہوگی، یعنی حکمین کے ذریعہ مصالحت کی کوشش پر ہی طلاق موقوف ہے؟ تو یہ بات ہرگز صحیح نہیں، کیونکہ مرد و عورت، میاں بیوی، اپنے مصالح اور اندرونی مسائل خود ہی اچھی طرح سمجھتے ہیں، اور اپنی صواب دید کے مطابق فیصلہ لیتے ہیں، اور شریعت ان کے فیصلہ کو تسلیم کرتی ہے، اس لئے شریعت نے طلاق کی صحت کو حکمین کی کاروائی پر موقوف نہیں کیا، بلکہ اس کے بغیر بھی طلاق کو تسلیم کیا ہے، قرآن وحدیث سے بھی یہی رہنمائی ملتی ہے، جو درج ذیل ہے:

(۱) قرآن پاک میں طلاق دینے کے سلسلہ میں جو آیتیں وارد ہوئی ہیں:

(۱)"يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاء فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ۔"(سورہ طلاق، پ۲۸، آیت ۱)

(۲)"فَإِن طَلَّقَهَا فَلاَ تَحِلُّ لَهُ مِن بَعْدُ حَتَّىَ تَنكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ۔" (سورہ بقرہ، پ۲، آیت ۲۳۰)

(۳)"الطَّلاَقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ۔"(سورہ بقرہ، پ۲، آیت ۲۲۹)

(٤)"وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاء فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ۔" (سورہ بقرہ، پ۲، آیت ۲۳۱)

کسی بھی موقع پر طلاق کو تحکیم یعنی مصالحت کے ذریعہ مصلحت کو شرط نہیں قرار دیا گیا، اور طلاق کو تحکیم کی کاروائی پر موقوف نہیں رکھا گیا، اسی طرح پورے ذخیرہ حدیث میں بھی کہیں بھی طلاق کو حکمین کی کاروائی پر موقوف اور شرط قرار نہیں دیا گیا، بلکہ قرآن وحدیث میں اس کے خلاف واقعات وارد ہوئے ہیں، جو درج ذیل ہیں:

(۲) سورہ احزاب میں حضرت زینبؓ کا قصہ مفصل مذکور ہے کہ حضرت زینبؓ جو حضرت زید بن حارثہؓ کے نکاح میں تھیں اور دنوں کے درمیان ناخوش گوار حالات تھے، رسول اللہ ﷺ حضرت زید بن حارثہؓ کو نکاح پر قائم رہنے کی ہدایت فرما رہے تھے، "أمسك

علیك زوجك۔'' لیکن بالآخر تکوینی مصلحت کے پیش نظر نباہ نہ ہوسکا، اور طلاق کی نوبت آ گئی، اور طلاق وعدت کے بعد حضرت زینب رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آئیں۔

"فلما تشكى زيد للنبی ﷺ خلق زينب وأنها لا تطيعه وأعلمه أنه يريد طلاقها، قال له رسول الله ﷺ على جهة الأدب والوصية: اتق الله، فی قولك: وأمسك عليك زوجك۔" (تفسير قرطبی، سوره احزاب، جلد ۱۷، آیت ۱۵۷)

اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے تحکیم کی کاروائی نہیں فرمائی، نہ حضرت زینبؓ کی طرف سے نہ حضرت زیدؓ سے کوئی حکم مقرر ہوا، جو مسائل کو سلجھانے کی کوشش کرتا بلکہ تحکیم کی کاروائی کے بغیر طلاق واقع ہوگئی، اور رسول اللہ ﷺ نے اس کو جائز قرار دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ طلاق حکمین کی کاروائی پر موقوف نہیں، اور طلاق سے قبل تحکیم کی کاروائی شرط لازم نہیں۔

(۳) ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہؓ کو طلاق دے دی تھی، اور بعد میں رجوع بھی فرمالیا تھا، رجوع فرمانا طلاق واقع ہونے کی دلیل ہے، حالانکہ یہاں بھی طلاق واقع کرنے سے قبل شوہر بیوی کی طرف سے تحکیم کی کوئی کاروائی نہیں ہوئی، نہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اور نہ ہی حضرت حفصہؓ کی طرف سے۔

(۴) ماقبل میں ایک عورت کا اپنے شوہر سے اکراہ کے ذریعہ طلاق دینے کی روایت گذر چکی ہے، نیز حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بھی اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دینے کا تذکرہ ماقبل میں مذکور ہوا، رسول اللہ ﷺ نے سب کی طلاق کو واقع اور تسلیم کیا، حالانکہ اس سے قبل تحکیم کی کوئی کاروائی نہیں ہوئی۔

ان سب روایات وواقعات سے معلوم ہوا کہ طلاق سے قبل تحکیم یعنی دونوں کی جانب سے مصالحت کی کوشش ضروری اور شرط لازم نہیں، بلکہ اس کے بغیر بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

☆☆☆☆☆